WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ عَبَسَ

نام : اس سورت کا نام عبس ہے جو اس سورت کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں ایک رکوع، بیالیس آیتیں، ایک سو تیس کلمات اور پانچ سو تینتیس حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے خالہ زاد بھائی تھے اور ان خوش نصیبوں میں سے تھے جن کا شمار "السابقون الاولون" میں ہوتا ہے، یہ نابینا تھے۔ ایک روز بارگاہ رسالت میں شیبہ، عتبہ پسران ربیعہ، ابوجہل، امیہ ابن خلف، ولید ابن مغیرہ، عباس ابن عبدالمطلب اور دیگر رؤسائے قریش حاضر تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی دلسوزی اور محویت سے انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکالنے کی سعی فرما رہے تھے۔ "حریص علیکم" کی شان اپنے پورے جوبن پر تھی۔ دریں اثنا عبداللہ ابن ام مکتوم حاضر ہوئے۔ نابینا ہونے کی وجہ سے محفل کا رنگ نہ دیکھ سکے۔ انہوں نے اپنے شوقِ فراواں سے مجبور ہو کر آتے ہی عرض کی، "یا رسول اللہ علمنی مما علمك الله" (اے اللہ کے رسول جو اللہ نے آپ کو سکھایا اس میں سے مجھے بھی سکھائیے)

یہ مداخلتِ بیجا حضور کو پسند نہ آئی۔ رنج اور ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے۔ آداب مجلس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جو سلسلہ کلام پہلے شروع ہے وہ ختم ہو جائے تو نئی بات چھیڑی جائے۔ یہاں تو حضور تبلیغ کا نہایت اہم ترین فریضہ ادا کرنے میں مصروف تھے۔ عبداللہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس بے شمار مواقع تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ کی دلجوئی کرتے ہوئے یہ سورۃ مبارکہ نازل فرمائی تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ اس بارگاہ میں شکستہ دلوں اور سوختہ جگروں کی جو قدر و منزلت ہے وہ کسی اور کی نہیں۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ہے۔ وہاں محبت، پیار اور دلجوئی کی حد کر دی گئی ہے لیکن ان مقامات کے برعکس یہاں اسلوبِ بیان میں بڑا جلال ہے۔ اندازِ خطاب میں تندی کا پہلو غالب ہے۔ بظاہر غلطی حضرت عبداللہ کی ہے کہ انہوں نے مجلسِ نبوت کے آداب کا پاس نہ رکھا نیز حضور کسی اپنے ذاتی کام میں مصروف نہ تھے بلکہ "بلغ ما انزل الیك" کے حکم کی تعمیل میں مشغول تھے چاہیے تو یہ تھا کہ عبداللہ کو سرزنش کی جاتی کہ انہوں نے فرائض نبوت کی ادائیگی میں مداخلت کیوں کی ہے لیکن ان کے بجائے اپنے

محبوب کریم کو تنبیہ فرمادی کہ آپ نے ناگواری کا اظہار کیوں کیا اور اُس سے بے رُخی کیوں برتی۔ اس میں کیا حکمت ہے۔

آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا تُند لہجہ اختیار کرکے رؤسائے مکہ کی ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے جس میں وہ بُری طرح مُبتلا تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ ان کے مسلمان ہونے سے اسلام کو چار چاند لگ جائیں گے پیغمبرِ اسلام کی عزت اور توقیر میں اضافہ ہوگا۔ انہیں اسلام کی چنداں ضرورت نہیں اس لیے جس محفل میں وہ موجود ہوں کسی دُوسرے شخص کو در خورِ اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالٰے نے اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں اُن کی اس غلط فہمی کو دُور کردیا کہ یہاں تو اسی کو پذیرائی بخشی جاتی ہے جو خلوص اور طلبِ صادق لے کر حاضر ہوتا ہے۔ خواہ وہ مفلس و کنگال ہی کیوں نہ ہو جس شخص کو اپنی دولت اور جاہ و منصب پر گھمنڈ ہے جس کے دل میں جذبۂ صادق نہیں اُس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں، انہیں اسلام کی ضرورت ہے تاکہ اُس کی برکتوں اور ضیا پاشیوں سے اُن کا تاریک مستقبل درخشاں ہو جائے۔ اسلام کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اگر وہ اس سے فیض یاب نہ ہوں گے تو کئی دُوسرے خوش نصیب اس چشمۂ شیریں سے آکر سیراب ہوں گے۔ قیامت تک آنے والے رئیسوں، دولتمندوں، خاقانوں اور قیصروں کی اس غلط فہمی کو دُور کردیا۔ آیات کے لہجہ میں یہ تُندی ایک اہم ضرورت کے پیشِ نظر اختیار کی گئی۔

جو لوگ ان آیات سے سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبۂ عالیہ کی تنقیص کرتے ہیں، وہ پرلے درجے کے کم فہم ہیں پہلے بھی اہلِ نفاق کا یہ شیوہ تھا۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ ایک امام ہمیشہ نماز میں اسی سورت کی قرأت کرتا ہے تو آپ نے ایک آدمی بھیجا جس نے اس کا سر قلم کردیا، چونکہ وہ حضور کے مرتبہ عالی کی تنقیص کے ارادے سے اس کی قرأت کیا کرتا تھا تاکہ مقتدیوں کے دل میں بھی حضور کی عظمت کم ہو جائے۔ اس لیے نگاہِ فاروق میں وہ مُرتد تھا، اور مرتد واجب القتل ہُوا کرتا ہے (رُوح البیان)۔ ایسے مقامات پر انسان کو سنبھل کر قدم اٹھانا چاہیے مُبادا ایمان کی شمع گل ہو جائے۔

آیت نمبر ۱۷ سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے۔ انسان کی ناشکری کی کیفیت بتائی جارہی ہے کہ جس ربِ کریم نے اس کو پیدا کیا اور اُس کے ظاہری اعضاء اور باطنی قوٰی میں موزونیت کا خیال رکھا۔ پھر اس کی خوراک کا سامان مہیا فرمادیا۔ اس کو کبھی خیال نہ آیا کہ وہ ایسے کریم پروردگار کا شکریہ ادا کرے، اس سے بڑھ کر اور بدنصیبی کیا ہوسکتی ہے۔

آیت نمبر ۳۳ سے آخر تک احوالِ قیامت کی طرف متوجہ کردیا تاکہ انسان آج ہی اس امتحان کے لیے تیاری شروع کردے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۳ - ۴ - ۷۷

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعٌ وَاحِدٌ كَذَا الخ

سورہ عبس مکی ہے اس کی بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عبس وتولی ﴿۱﴾ ان جاءہ الاعمی ﴿۲﴾ وما یدریک لعلہ یزکی ﴿۳﴾

چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا ۱؎ (اس وجہ سے) کہ ان کے پاس ایک اندھا آیا ۲؎ اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا ۳؎

۱؎ ایک روز بارگاہ رسالت میں رؤسائے قریش عتبہ، شیبہ پسران ربیعہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ حاضر تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں دعوتِ اسلام دے رہے تھے کہ اچانک عبداللہ ابن ام مکتوم آگئے اور آداب مجلس کی رعایت کیے بغیر عرض کرنے لگے یارسول اللہ اقرئنی وعلمنی مما علمک اللہ۔ یارسول اللہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو سکھایا ہے مجھے بھی وہ سکھائیے اور مجھے پڑھ کر سنائیے۔ ان کا یہ انداز گفتگو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار گزرا۔ ناگواری کے آثار چہرہ مبارک پر بھی نمایاں ہوئے جبین سعادت پر شکن پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

امام فخرالدین رازیؒ یہاں ایک سوال اٹھاتے ہیں پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ غلطی حضرت عبداللہ سے ہوئی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے انہوں نے قطع کلام کرتے ہوئے اپنی بات چھیڑ دی۔ نیز ایک کافر کو دعوتِ اسلام دینا، ایک مسلمان کو قرآن کی تعلیم سے مقدم ہے۔ نیز بارگاہ رسالت کے جو آداب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو سکھائے تھے وہ تو یہ تھے کہ عامیانہ انداز میں حجروں سے باہر کھڑے ہو کر حضور کو نہ بلائیں بلکہ حضور کی آمد کا انتظار کریں۔ بھری محفل میں تو انہیں سراپا ادب بن کر بیٹھے رہنا چاہیے تھا یہاں تک کہ حضور تبلیغ سے فارغ ہوتے اور پھر یہ اپنی گزارش کرتے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر عتاب حضرت عبداللہ کو ہونا چاہیے تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عتاب کرنے میں کیا حکمت ہے۔

رازی فرماتے ہیں کہ یہ ساری باتیں بجا ہیں اور عتاب کی اس کے بغیر اور کوئی حکمت نہیں کہ وہ کفار جو اس وقت حاضر تھے وہ مکہ کے سردار اور دولت مند لوگ تھے انہیں اپنی اس برتری کا احساس بھی تھا اور اس پر انہیں گھمنڈ بھی تھا۔ ان کی موجودگی میں اپنے کسی نیازمند کے ساتھ یہ بے اعتنائی عام لوگوں کو اس غلط فہمی میں بآسانی مبتلا کر سکتی تھی کہ یہ بے رخی، تبلیغ میں انہماک کی وجہ سے نہیں برتی گئی بلکہ محض ان لوگوں کی دولت و ثروت اور ان کی ریاست کی وجہ سے ان کی پاسداری کی گئی ہے اور عبداللہ کو محض اس لیے نظر انداز کیا گیا ہے کہ یہ غریب عوام کا ایک فرد ہے اور جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہی غریب نواز بنا کر ہو جس کا مقصد اولین ہی شکستہ دلوں اور غمزدوں کی دلجوئی اور دلداری ہو اور جو تشریف ہی اس لیے لایا ہو کہ فقراء و مساکین کی عزت افزائی کرے اس ہستی سے کسی ایسی بات کا صدور جس سے اس کے منصب رفیع کے خلاف کوئی واہمہ پیدا ہو سکے اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہیں۔

عبداللہ بن ام مکتوم کے دل نیاز مند پر صدہا شیبہ و عتبہ قربان کیے جاسکتے ہیں۔ بارگاہ نبوت کے درویشوں اور فقیروں کی درویشی و فقر کے سامنے دنیا بھر کے رئیسوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

قطرۂ آبِ وضوئے قنبرے

خوب تر از خونِ نابِ قیصرے

قنبر کے وضو کے پانی کا قطرہ قیصر کے خون ناب سے قدر و قیمت میں کہیں فزوں تر ہے۔

لیکن اس عتاب میں بھی لطف و کرم اور پیار کے جلوے دمک رہے ہیں۔ عتاب کرتے ہوئے عبست و تولیت خطاب کے صیغے استعمال نہیں کیے بلکہ غیاب کے پردے میں عتاب کیا گیا ہے کیونکہ روبرو عتاب خاطر عاطر پر بہت گراں گزرتا۔

ان آیات کے نزول کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں جب حضرت عبداللہ حاضر ہوتے تو حضور فرماتے مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی۔ خوش آمدید اسے وہ شخص جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا۔ پھر پوچھتے ھل لک من حاجۃ۔ کوئی کام ہے تو بتاؤ۔ کسی مہم کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بیرون مدینہ تشریف لے جاتے تو مدینہ میں اپنا کسی کو نائب بنا جاتے حضرت عبداللہ کو یہ شرف دو بار حاصل ہوا۔

۲۔ حضرت عبداللہ کو نابینا کہنے میں ان کی تحقیر مقصود نہیں بلکہ ان کی طرف سے معذرت پیش کی جارہی ہے۔ یعنی یہ نابینا معذور تھا، نہ محفل کو دیکھ سکا، نہ حاضرین کو پہچان سکا اور نہ اسے یہ پتہ چلا کہ آپ اس قدر مصروف ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ الفہری ہے بنی عامر بن لوی کے قبیلہ سے ہیں۔ رازی فرماتے ہیں ام مکتوم ان کی دادی تھیں۔ لیکن اکثر نے ام مکتوم کو ان کی والدہ لکھا ہے۔ یہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔

۳۔ حضرت عبداللہ کے پاس خاطر کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ وہ کفار جن کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ تھے۔ ان میں سے کسی کے دل میں طلب حق کا جذبہ نہ تھا۔ انہیں تو اپنی دولت کا گھمنڈ اور اپنے رئیس ہونے پر ناز تھا۔ وہ آپ کی دعوت کو سمجھنے اور سمجھ کر اس کو قبول کرنے کی نیت سے حاضر نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ کی خصوصی توجہ کے باعث وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے تھے کہ اسلام کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر انہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو اسلام کی ترقی اور عروج کے امکانات ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ ان نادانوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا کہ بیماروں کو مسیحا کی ضرورت ہوتی ہے پیاسا چشموں کا محتاج ہوا کرتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ غیرت خداوندی یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ وہ اپنے دل میں اسلام اور ہادی اسلام کے بارے میں اس قسم کے تصورات کو جگہ دیں اور یہ درویش تو پہلے ہی حق کی شمع اپنے سینہ میں فروزاں کر چکا تھا اور حضور کی غلامی سے عہد وفا باندھ چکا تھا۔ ان ازلی محروموں کے ساتھ جو کوشش ہو رہی تھی انہیں اس کا کوئی فائدہ پہنچنے والا نہ تھا۔ البتہ اسے جو آپ سکھاتے وہ اسے حرز جان بناتا۔ صدق دل سے اس پر عمل کرتا۔ اس کا آئینۂ دل اور زیادہ شفاف اور تابناک ہو جاتا۔

أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ﴿٤﴾ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ﴿٥﴾ فَأَنْتَ لَهٗ

یا وہ غور و فکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت ۴ لیکن وہ جو پروا نہیں کرتا آپ اس کی طرف تو

تَصَدّٰى ﴿٦﴾ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكّٰى ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ﴿٨﴾

توجہ کرتے ہیں اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سدھرے۔ اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا

وَهُوَ يَخْشٰى ﴿٩﴾ فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ﴿١٠﴾ كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾ فَمَنْ

اور وہ ڈر بھی رہا ہے تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں ۵ ایسا نہ چاہیے یہ تو نصیحت ہے۔ سو جس کا

۴ یا آپ اسے جو کلام الٰہی سناتے وہ اس میں مزید غور و فکر کرتا اس سے نصیحت قبول کرتا آپ کی یاد دہانی اس کے لیے بلاشبہ نفع بخش ہوتی۔ دعوتِ اسلام اگرچہ عام ہے لیکن اس سے فائدہ تو وہی اٹھاتا ہے جو اس میں غور و فکر کرے۔

۵ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سراپا رأفت و رحمت تھے۔ حضور کی یہ آرزو تھی کہ کوئی بھی نعمتِ ایمان سے محروم نہ رہے اس لیے پوری دل سوزی سے ہر محجوب کو اس کے حجاب سے رہائی دلانے کی سعی فرماتے۔ حضور کی اسی کیفیت کو قرآن نے حریص علیکم کے کلمات سے یاد کیا ہے لیکن ان کی استعداد یکساں نہ تھی۔ ان کے نظریات و افکار میں بڑا تفاوت تھا کچھ تو ایسے تھے جن کے دلوں میں حق کی تلاش کا ذوق موجود تھا اور وہ حضور کی ذاتِ اقدس کو ہی ایسا چشمہ تصور کرتے تھے جہاں سے ان کے ذوق کی تسکین ہو سکتی تھی۔ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ اگر داعی ان نا اہلوں کی طرف زیادہ توجہ مبذول کرے اور حق کے متلاشیوں کی طرف سے بے اعتنائی برتے تو اس دعوت کی ترقی میں غیر معمولی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی تادیب و تربیت خود فرماتے ہیں اور ارشاد ہے کہ وہ شخص جو اس دعوت کی طرف سے بے نیازی کا رویہ اختیار کیے ہوئے ہے آپ اس کی طرف تو ہمہ تن متوجہ ہیں حالانکہ اگر وہ مسلمان نہ ہو تو آپ کی بلا سے۔ نہ آپ پر اس کے اسلام لانے کی کوئی ذمہ داری ہے اور نہ آپ کو اس کے کفر سے کوئی ضرر پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہ طالبِ حق جو پیغامِ حق سننے کے لیے سخت بے تاب ہے فرطِ شوق سے آپ کے قدموں میں دوڑا چلا آ رہا ہے اور اس کے دل میں خدا کا خوف ہے آپ اس کی طرف سے کیوں بے اعتنائی برتیں۔ اے میرے حبیب! آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ شمعِ ہدایت پر پروانہ وار نثار ہونے والوں کی طرف سے بے رخی آپ کے شایانِ شان نہیں۔

شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ

جی چاہے اسے قبول کرے ۷ یہ ایسے صحیفوں میں ثبت ہے جو معزز ہیں۔ جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں ۸ ایسے کاتبوں کے

سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ

ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں ۹ غارت ہو منکر انسان ۱۰ وہ کتنا احسان فراموش ہے ۱۱ کس چیز سے

شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ

اللہ نے اسے پیدا کیا۔ ایک بوند سے۔ اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی ۱۲ پھر زندگی کی راہ اس پر

۶ اگر وقف کلا پر ہو تو پھر اس کا معنی ردع و زجر ہوگا یعنی ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے اور اگر کلا پر وقف نہ ہو تو پھر یہ حقا کے معنی میں ہوگا یعنی یقیناً یہ آیاتِ ربانی ایک تذکرہ ہیں۔ جس کا جی چاہے ان سے نصیحت قبول کرے اور اپنی بگڑی بنا لے اور جس کا جی چاہے ان سے اعراض کرے۔ ان لوگوں کو فوز و فلاح حاصل کرنے کے لیے اس دعوت کی حاجت ہے۔ اس دعوت کو ان کی ضرورت نہیں۔

۷ قرآن کریم کی عظمتِ شان کا ذکر ہو رہا ہے کہ قدرت نے اسے ان باعزت صحیفوں میں محفوظ کر دیا ہے جن کی شان بڑی اونچی ہے جن کا مرتبہ بڑا عالی ہے۔ یہ ہر آلائش اور آمیزش سے پاک ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ کرے یا اس میں باطل کو ملا دے۔

۸ سفرۃ، سافر کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے پوشیدہ چیز کو ظاہر کرنے والا۔ کاتب کو بھی سافر کہتے ہیں کہ وہ اپنی تحریر سے اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرتا ہے۔

یہاں سے ان فرشتوں کی تعریف کی جا رہی ہے جنہوں نے ان پاکیزہ صحیفوں میں کلام الٰہی کو تحریر کیا ہے کہ وہ بڑے بزرگ ہیں۔ ان سے یہ توقع ہرگز نہیں رکھی جا سکتی کہ انہوں نے کچھ اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہوگا یا کچھ کمی کر دی ہوگی۔ وہ نیکوکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں غفلت و سستی ان کے لیے ناممکن ہے۔

۹ مجاہد کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی قُتِلَ الْاِنْسَانُ کے الفاظ آئے ہیں وہاں انسان سے مراد کافر ہے۔ یعنی یہ انسان جو ہر لحظہ ہمارے احسانات سے بہرہ ور ہو رہا ہے لیکن ان کا شکر ادا نہیں کرتا بلکہ کفرانِ نعمت کی روش اختیار کر کے نافرمانی اور بغاوت پر آمادہ ہے۔ بندگی کے بجائے کفر و شرک کا پرچم بلند کیے ہوئے ہے۔ غارت ہو جائے ایسا انسان! اس کا وجود انسانیت کے لیے باعثِ ننگ و عار ہے۔ اس کا کٹ جانا اس کے باقی بچنے سے کہیں بہتر ہے۔

۱۰ اظہار تعجب کے لیے آیا ہے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو بارگاہِ نبوت کے درویشوں اور فقیروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی مجلس میں بیٹھنا بھی اپنی ہتک خیال کرتے تھے۔

۱۱ ذرا یہ لوگ اپنی اصلیت پر تو غور کریں۔ جب یہ دنیا میں آئے تو کیا ان کی سج دھج کا یہی عالم تھا، ان کے خزینے لعل و جواہر سے یوں ہی پُر تھے۔ کتنے کم ظرف ہیں یہ لوگ! کیا انہوں نے اس قطرۂ آب پر توجہ نہیں کی جس سے ان کا پیکر تیار کیا گیا۔ شکم مادر میں ان کو کس نے پیدا کیا۔ وہ کون ہے

يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا

آسان کر دی ۱۲ پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا ۱۳ پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کرے گا ۱۴ یقیناً وہ بجا نہ لایا جو اللہ

يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا

نے اسے حکم دیا تھا ۱۵ پھر ذرا انسان غور سے دیکھے اپنی غذا کو ۔ بے شک ہم نے زور

جس نے ان کے اعضا کی ساخت، شکل و صورت کا تعین، ان کی ذہنی صلاحیتوں، ان کے مقدر کی پستی یا بلندی اور ان کی غربت و ثروت کے بارے میں آخری فیصلہ صادر فرما دیا۔ آج جبکہ ان کا طوطی بول رہا ہے اس وقت بھی ان کی یہ مجال نہیں کہ اس الٰہی فیصلہ میں رائی برابر ردوبدل کر سکیں۔ ایسی بے بسی اور فروعنیت کا دعویٰ پرلے درجے کی حماقت اور کوتاہ نظری ہے۔

۱۲ یہ بڑی جامع آیت ہے۔ اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ رحم مادر میں اسے پروان چڑھایا، وہاں سے اس کے باہر نکل آنے کی راہ آسان کر دی، اور یہ بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے کہ گوناگوں قوتوں کی اس کے خمیر میں تخم ریزی کی۔ جب اسے اس دنیا میں پیدا کیا تو وہ سارا سامان بڑی فیاضی سے مہیا کر دیے جن کی وجہ سے اس کی امکانی قوتیں عمل جامہ پہن سکیں اور ان کا پوری طرح ظہور ہو سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی نشوونما کے لیے سازگار فضا اور خوشگوار ماحول مہیا نہ کرتا تو وہ قوتیں ہمیشہ خوابیدہ رہتیں۔ وہ بیج بغیر اگے ضائع ہو جاتے۔ یہ انسان جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے اس کو اس مرتبہ تک پہنچانے میں قدرت کے لطف و کرم کا ہاتھ ہے۔ نیز اس آیت میں یہ حقیقت بھی بیان کی گئی ہے کہ ابدی فوز و فلاح کی منزل کی طرف جانے والی شاہراہ پر نبوت کے چراغ روشن کر کے رکھ دیے گئے ہیں جس سے سالک کو اپنی منزل تک پہنچنا آسان ہو گیا ہے۔ اگر رسالت کی تنویریں راستے کے نشیب و فراز کو روشن نہ کر دیتیں تو انسان کی کیا طاقت تھی کہ وہ بخیریت منزل تک پہنچ سکتا، کسی نہ کسی فکری گرداب میں ڈبکی کھا رہا ہوتا یا کوئی لغزش اسے کسی تاریک غار میں دھکیل دیتی اور وہ وہاں دم توڑ رہا ہوتا۔

۱۳ جب تک اس کی موت کا مقررہ وقت نہیں آتا ہزاروں خطرات میں بھی یہ سلامت رہتا ہے۔ بارش کی طرح برستے ہوئے بم بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ دشمن کی کوئی سازش اس کو گزند نہیں پہنچا سکتی اور جب صدر دفتر سے اس کی موت کا پروانہ جاری ہو چکا ہے تو پھر ہزاروں محافظوں کے جھرمٹ میں سے بھی موت کا ہاتھ اسے اچک لیتا ہے۔ پھر کہیں یہ بھاگ سکتا ہے، نہ چھپ سکتا ہے، نہ خود بچ سکتا ہے اور نہ اسے کوئی بچا سکتا ہے۔ اور پھر جہاں اس کے خالق کی مرضی ہوتی ہے وہاں اسے دفن کر دیا جاتا ہے۔ زمین کا شکم، پرندوں اور درندوں کے معدے اور قعر دریا اس کا مدفن بن سکتے ہیں۔ بے بسی کا یہ عالم اور اس پر اتنا غرور اور گھمنڈ؟

۱۴ وہ قادرِ مطلق جس کے فیصلے جس کی آفرینش، پیدائش، اشنائے حیات اور موت کے بارے میں اٹل تھے وہی جب چاہے گا اسے پھر سے زندہ کر کے اسے کھڑا کر دے گا۔

۱۵ یہاں کَلَّا، حقاً کے مترادف ہے یعنی انسان کو اس کے مالک نے جن احکام کو بجا لانے کا حکم دیا۔ افسوس کہ وہ ان کو بجا لانے سے قاصر رہا۔ اپنی کم فہمی کے باعث وہ ان احکام کو بوجھ سمجھتا رہا۔ اپنی ترقی کی راہ میں سنگ گراں خیال کرتا رہا، حالانکہ اگر وہ ان ارشادات کی کماحقہ تعمیل کرتا تو

الْمَآءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾

سے پانی برسایا۔ پھر اچھی طرح پھاڑا زمین کو۔ پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ

وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً

اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات اور طرح طرح کے پھل

وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾ فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿٣٣﴾

اور گھاس۔ سامانِ زیست تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے ١٦ پھر جب کان بہرا کرنے والا شور اٹھے گا ١٧

اس کا اپنا بھلا ہو گا۔

١٦ انسان کے احوالِ معاد ذکر کرنے کے بعد اب اس کے احوالِ معاش کا ذکر ہو رہا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور بے شمار نوازشات کے جو جلوے دیکھے جا سکتے ہیں ان کی طرف انسان کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔ یعنی تم اپنے دسترخوان پر چنے ہوئے رنگا رنگ کھانوں کو ہڑپ کر جاتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو پیدا کیا ہے۔ بارش برستی ہے۔ بیج زمین کا سینہ شق کرتے ہوئے نازک نازک پتیوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر وہ اگتے ہیں۔ نشوونما پاتے ہیں۔ کہیں کھیت ہیں تمہارے لیے اناج کے ذخیرے تیار کیے جا رہے ہیں۔ کہیں انگوروں کی بیلیں زمین پر بل کھاتی نشوونما پا رہی ہیں۔ کہیں تمہارے جانوروں کے لیے چارہ اگ رہا ہے۔ زیتون اور کھجور کے درخت کہیں بہار دکھا رہے ہیں۔ کہیں شاداب اور گھنے باغات ہیں جن کے درختوں کی ٹہنیاں رنگا رنگ پھولوں اور پھلوں سے لدی ہیں۔ کہیں گھاس اگ رہی ہے جو تمہارے جانوروں کے کام آتی ہے۔ اس طرح ہم نے اپنی رحمت و قدرت سے تمہارے لیے اور تمہارے حیوانوں کے لیے سامانِ زیست فراہم کر دیا ہے۔

مشکل الفاظ کی تشریح: صب: پانی کو اوپر سے انڈیلنا۔ شقًا: زمین کا پھٹنا اس کا چرنا۔ حبًّا سے مراد ہر قسم کا اناج ہے گندم، جو اور تمام وہ غلہ جسے کاٹا جاتا ہے اور اس کا ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ ای قمحا وشعیرا وسائر ما یحصد ویدخر۔ قضبا: قضب کا لغوی معنی کاٹنا ہے۔ وہ چارہ جو کاٹنے کے بعد پھر اگ آتا ہے اس کو بھی قضب کہتے ہیں اور وہ ترکاریاں جن کو اوپر سے کاٹا جاتا ہے اور ان کی جڑیں پھر پھوٹ آتی ہیں ان کو بھی قضب کہا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں هو القت والعلف، سمی بذلک لانه یقضب ای یقطع بعد ظهوره مرة بعد اخری وسائر البقول التی تقطع فینبت اصلها۔ (قرطبی) غلبًا: جو درخت بھاری بھرکم ہو اس کو شجرة غلباء کہتے ہیں۔ شیر کو اغلب کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی گردن موٹی اور بھاری ہوتی ہے۔ حدیقة غلباء کا معنی یہ ہوگا کہ وہ باغات جن کے درخت بھاری بھرکم ہوتے ہیں جن کی شاخیں باغ در باغ پیوست ہوتی ہیں۔ ابًّا: هو ما تاکله البهائم من العشب۔ وہ چارہ یا اور گھاس جو جانوروں کے کھانے کے کام آتا ہے۔

١٧ ذکرِ معاش کے بعد پھر ذکرِ معاد ہو رہا ہے تاکہ لوگ اس کے لیے تیار ہو جائیں اور اس طویل سفر کے لیے اعمالِ صالحہ کی زادِ راہ فراہم کر لیں۔

الصَّآخَّة: خلیل اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں الصاخة صيحة تصخ الاذان صخا ای تصمها بشدة وقعها (قرطبی) یعنی صاخہ اس

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَ

اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور

بَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ

اپنے بیٹوں سے۔ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی ۱۸ کتنے ہی چہرے

يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ

اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش و خرم ۱۹ اور کئی منہ

يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ

اس دن غبار آلود ہوں گے۔ ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر (اور)

الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾ ع ۲ / ۴۲ / ۵

فاجر لوگ ہوں گے ۲۰

گرجدار آواز کو کہتے ہیں جس کے شور سے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے جبکہ سب لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

۱۸ اس دن عجیب افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ کسی کو دوسرے کی ہوش نہ ہوگی ہر ایک اپنی مصیبت میں پھنسا ہوگا۔

۱۹ اس ہولناک دن بھی بعض چہرے ایسے ہوں گے جو چمک رہے ہوں گے۔ خوشی سے ہنس رہے ہوں گے اور ان کے چہروں پر مسرت و فرحت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ انہیں کوئی اندیشہ اور فکر نہ ہوگا۔ ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون کا منظر ساری دنیا دیکھ رہی ہوگی۔

۲۰ لیکن وہ بد نصیب جنہوں نے سرکشی اور سرتابی کرتے کرتے اپنی عمریں برباد کر دی تھیں ان کے چہروں پر خاک اڑ رہی ہوگی ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ساری عمر کفر کرتے رہے اور فسق و فجور میں مبتلا رہے۔

اللّٰهم انت ربنا وانت الرحمٰن الرحيم اجعل وجوهنا يومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة. انت اهل التقوىٰ و اهل المغفرة بجاه حبيبك الكريم ورسولك المعظم الذى ارسلته رحمة للعلمين والبسته تاج الشفاعة للمذنبين اللهم ابعثه مقاما محمودا يغبطه فيه الاولون والآخرون وصل وسلم وبارك عليه وعلى آله واصحابه ومن احبه و اتبعه الى يوم الدين يا اكرم الاكرمين يا ارحم الراحمين. فاطر السموات والارض انت ولى فى الدنيا والآخرة توفنى مسلما والحقنى بالصالحين.